۵۱واں باب

نبوت کا پانچواں سال (جاری)

مخالفین اور شیاطین کے شر سے حفاظت کے لیے دُعائیں

۵۱ واں باب

مخالفین اور شیاطین کے شر سے حفاظت کے لیے دُعائیں

صرف اللہ کی توفیق ہی سے یہ ممکن ہوا ہے کہ اب ہم کاروانِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچویں سال میں نازل ہونے والی آخری سورۃ تک پہنچ گئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اِس سال کی روداد اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔

یہاں تک کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ ظلم و ستم کی موج کا سب سے اونچا حصہ آپؐ کے متبعین اہلِ ایمان پر سے گزر چکا تھا۔ سورۂ یٰسٓ اور سورۂ مومن میں دو مختلف صاحبِ ایمان حضرات کا تذکرہ پڑھ چکے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مشیئت یہاں مکّہ میں بھی صاحب ِ یٰسٓ کی مانند ایک ساتھی اہلِ ایمان کی صفوں میں داخل کر چکی تھی۔ اب نگاہیں سورۂ مومن کے رجل مومن کی منتظر تھیں جو کفار کی صفِ اوّل سے کٹ کر آنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں عمر بن الخطاب پر ٹکی ہیں جو کفار کی صفِ اوّل میں ابھی تک ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے ایمان کے لیے دعا کر رہے ہیں۔

لیکن اسلام کے شجرِ طیبہ کی یہ افزائش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر روز افزوں تر آزمائش بن رہی تھی کیوں کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا محاذ توانا ہو رہا تھا اور قریش کے مخالفین و مکذبین کم زور ہوتے جا رہے تھے، وہ نہیں سمجھ پا رہے تھے کہ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلاصی حاصل کریں، ابو طالب کی زندگی میں آپؐ پر ہاتھ اٹھانا مکّہ میں خانہ جنگی کا پیغام تھا اور اسی بنا پر وہ ابو طالب کو بھی قتل کرنے کا نہیں سوچ سکتے تھے۔ ان حالات میں وہ ہر بُری تدبیر کو اور شر کے کسی بھی وجود کو استعمال کرنے پر آمادہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اب تمام کفار اہلِ اقتدار و سرمایہ کی سازشوں اور نفرت و غصہ کا ہدف تھی۔ لونڈی غلام آزاد ہو چکے تھے، مومنین کے لیے سارا حجاز کھلا تھا وہ مکّہ چھوڑ کر کہیں بھی جا سکتے اور مستقبل میں پلٹ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے اور مدد کے لیے جمعیت کو چڑھا کر لا سکتے تھے، حبش کا ایک مرکز انھیں مل ہی گیا تھا جہاں مکّہ کے نصف سے زائد مومنین اللہ کی راہ میں ترکِ وطن

کر کے پہنچ چکے تھے۔ نبی ﷺ کی ذات گرامی ایک اللہ کی نصرت پر توکل کیے تنِ تنہا اپنے مختصر سے رفیقوں اور جاں نثاروں کے ساتھ تن بہ تقدیر تھی۔ جن جاں نثاروں کو آپ ﷺ نے اپنے ساتھ مکّہ میں رکھنا پسند کیا تھا بس وہی مکّہ میں موجود تھے۔ زبانِ حال اللہ کی بارگاہ میں ایک ہی نغمہ الاپ رہی تھی حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ اس صورت حال میں قریش اپنی ساری دولت، طاقت اور اقتدار اور پورے حجاز میں اپنے بھرم کے باوجود بے تدبیر ہو کر رہ گئے تھے۔ غصے سے دانتوں میں اپنی اُنگلیاں چبا رہے تھے، نبی ﷺ کی ذات پر حملے کے لیے کفار کے اَذہان سے شر کے دہانے گولے اُگل رہے تھے۔ ان سارے شرور کے مقابلے کے لیے ایک اللہ ہی کی ذات پر اعتماد تھا، وہ ذات جس نے ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود سے نجات دی تھی اور جس نے فرعون کے ارادہِ قتل سے موسیٰ علیہ السلام کو اور صلیب پر عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی سے محفوظ رکھا تھا!

خیر کے لیے الگ دربار اور شر سے پناہ کے لیے الگ آستانے کا اسلام میں تصور نہیں

دینِ اسلام میں خیر و شر کے الٰہ الگ الگ نہیں ہیں، خیر کے لیے الگ دربار اور شر سے پناہ کے لیے الگ آستانے کا کوئی تصور نہیں۔ یہاں تو بس ایک توحید کا نغمہ ہے جس دربار سے خیر عطا ہوتی ہے، اُسی دربار سے شر سے پناہ بھی ملتی ہے، کارگاہِ حیات میں سارے کام اُسی ایک الٰہِ واحد کی حکمت و مرضی سے انجام پاتے ہیں اور آنے والے کاموں کے لیے ایک سلسلہ سبب بنتے جاتے ہیں، شر میں سے خیر پھوٹتا ہے اور ظاہر بیں نظریں جسے خیر گمان کرتی ہیں بسا اوقات وہ خیر نہیں ہوتا۔ جس طرح ابتدائے نبوت میں خیرِ عظیم کی طلب کے لیے سورۂ فاتحہ عطا کی تھی اسی طرح اس نازک موقع پر شرور کے اس طوفان میں اللہ کی ذات نے اپنے نبیؐ پر احسان فرمایا اور آپؐ ﷺ کے پاس جبریل امین کے ذریعے 'معوذتین' کی شکل میں شرور کا توڑ بھیج دیا۔

مشکل حالات میں مُعَوِّذَتَین کے ذریعے اللہ سے استعانت اور شرور سے پناہ

مشکل حالات میں مدینے میں بھی اس سورۃ کے ذریعے اللہ سے استعانت اور شرور سے پناہ کے لیے آپؐ کو ہدایت کی گئی اس لیے کچھ لوگوں کو گمان ہوا کہ یہ مدینے میں نازل ہوئی۔ مدینے پر ہی کیا اعتبار مومنین کے لیے ہر دور میں جب وہ مشکلات کا شکار ہوں ہر طرح کی جسمانی اور روحانی آفتوں کا

مقابلہ کرنے کے لیے یہ سورتیں کام آتی ہیں۔

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس دنیا میں اپنے آخری وقت مرض الموت میں ان دونوں سورتوں (معوذتین) کو پڑھ کر دم کیا تھا۔[بخاری:۴-۱۷۵] مزید یہ کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سونے سے قبل سورۂ اخلاص اور یہ دونوں سورتیں پڑھ کر پھونکتے اور اور اپنے چہرے اور جسم پر ہاتھ پھیر لیتے۔[بخاری:۵-۹۶۰]

٦٦: سُوْرَۃُ الْفَلَق [۱۱۳ — ۳۰:عمّ]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہیے کہ میں پناہ مانگتا ہوں نمودار [۱۲۳] کرنے والے رب کی، ہر اُس چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہے، اور اندھیرے کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے، اور گرہوں میں پُھونکنے والوں کے شر سے، اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے۔

اللہ تعالی نے دنیا میں جتنی چیزیں پیدا کی ہیں وہ کسی نہ کسی انداز سے اس دنیا میں انسان کے لیے فائدہ مند ہی ہیں، کوئی چیز بے کار اور بے مقصد نہیں ہے اور اللہ کی پیدا کردہ ساری چیزیں کائنات میں انسانی حیات کو سازگار بناتی ہیں لیکن چیزوں کا بے جا، غلط یا بدنیتی سے استعمال شر کا باعث بنتا ہے۔اس لیے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بات سکھائی کہ ذاتِ باری تعالیٰ سے ہر چیز کے شر سے پناہ چاہی جائے، یہ ایک جامع دعا ہو گئی۔رات اگرچہ باعثِ سکون و آرام ہے لیکن اکثر برے کاموں اور سازشوں کا جال رات ہی کو تیار ہوتا ہے۔ اللہ نے اِن جالوں کے شر سے پناہ چاہنے کی تعلیم دی۔ اس کے بعد وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ گرہوں میں پُھونکنے والوں کے شر سے پناہ کی بات ہے، یہ

۱۲۳ 'الفلق'، صبح چوں کہ شب کے پردے کو چاک کرکے نمودار ہوتی ہے اس وجہ سے اس پر بھی اس کا اطلاق ہوا، لیکن پھاڑ کر نمودار ہونے والی چیز صرف صبح ہی نہیں ہے، ہر چیز کسی نہ کسی چیز کے اندر سے اس کو چاک کرکے ہی نمودار ہوتی ہے۔ گٹھلی سے پودا نمودار ہوتا ہے، دانے کو پھاڑ کر انکھوے نکلتے ہیں، زمین کو پھاڑ کر نباتات اُگتی ہیں، پہاڑوں کا سینہ چاک کرکے چشمے اور دریا ابلتے ہیں، اسی طرح انڈے کو پھاڑ کر بچے نکلتے ہیں اور رحم مادر کے منہ کو کھول کر دوسری تمام زندہ مخلوقات وجود پذیر ہوتی ہیں۔ لغت میں یہ لفظ وسیع معنوں میں بھی آیا ہے، قرآن میں جس طرح فالق الاصباح (الانعام ۶:۹۶) کی ترکیب استعمال ہوئی ہے اُسی طرح فالق الحب والنوٰی (الانعام ۶:۹۵) کی ترکیب بھی وارد ہوئی ہے [تدبرِ قرآن، جلد نہم صفحہ ۶۶۰]

دھوکہ بازوں، تعویذ گنڈے کرنے والوں اور نام نہاد جادو گروں کی لایعنی لغو حرکتوں اور اُن کی اداکاری اور فن کاری کی طرف اشارہ یا استعارہ ہے۔اس کی تفسیر کے ضمن میں ہم مولانا اصلاحیؒ کی تفسیر تدبر قرآن سے اقتباس نقل کررہے ہیں:

> مادّی اور محسوس آفات سے پناہ مانگنے کے بعد یہ روحانی واخلاقی آفتوں سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے۔ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ کے معنی گرہوں میں پھونک مارنے والوں کے ہیں۔اگرچہ یہ مونث ہے لیکن اس سے عورتوں کو مراد لینا لازم نہیں ہے۔ عربیت کے قاعدے سے آپ اِس سے ارواحِ خبیثہ اور نفوسِ خبیثہ مراد لے سکتے ہیں، عام اس سے کہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور قطع نظر اس سے کہ ان کا اشارہ یہود و مجوس کی طرف ہو یا عرب کے ساحروں اور کاہنوں کی طرف۔
>
> گرہوں میں پھونک مارنے کا یہ طریقہ ٹونے ٹوٹکے اور گنڈے کا عمل کرنے والے اختیار کرتے ہیں۔ یہ دھاگے یا تانت پر اپنے تصور کے مطابق کچھ پڑھ کر پھونکتے اور گرہیں لگاتے جاتے ہیں۔اور اُن کے زعم کے مطابق ان کا معمول اس طرح اُن کے دام میں اسیر ہو جاتا ہے اور پھر وہ اس کو جو اذیت پہنچانا چاہتے ہیں پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔اس صفت سے ان کا ذکر کرنے سے مقصود ان کی بھگل (اداکاری/ فن کاری) کی تصویر کھینچنا ہے۔ یہ اسی طرح کی تصویر ہے جس طرح سورۂ شعرا میں کاہنوں کے مراقبے کی تصویر: یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ اور وہ کان لگا کر بیٹھتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں) کے الفاظ سے کھینچی گئی ہے۔میرے نزدیک اس سے مقصود اس چیز کی لغویت کی طرف اشارہ کرنا ہے۔
>
> رہا یہ سوال کہ یہ اعمالِ سفلیہ کچھ موثر ہوتے ہیں یا نہیں تو اس سوال پر ہم سورۂ بقرہ کی آیۃ ۱۰۲ کے تحت، بضمن قصہ ہاروت وماروت، اپنی رائے کا اظہار کر چکے ہیں [ملاحظہ ہو تدبرِ قرآن۔ جلد اوّل صفحات:۲۳۸-۲۴۴] ہمارے نزدیک اس کا اکثر حصہ، جیسا کہ سورۂ شعرا کی محولہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے محض ڈھونگ اور بھگل ہے لیکن اس کے اندر اگر کچھ حقیقت ہے بھی تو قرآن میں یہ تصریح ہے کہ یہ موثر بالذّات نہیں ہیں بلکہ ان سے کسی کو ضرر پہنچایا جا سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اِذن ہی سے پہنچایا جا سکتا ہے۔چناں چہ سحر اور اعمالِ سفلیہ ہی سے متعلق فرمایا ہے......وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ
>
> بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ ؕ ..... [البقرہ:۲-۱۰۲] (اور اس

کے ذریعے سے وہ کسی کو ضرر پہنچانے والے نہیں ہو سکتے مگر اللہ کے اذن سے) توجب ان سے کوئی ضرر اللہ کے اذن ہی سے پہنچ سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس شر سے بچنے کے لیے اللہ کے سوا کسی اور کی پناہ ڈھونڈنے کی حاجت باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ کی سنّت یہ ہے کہ لوگ اپنے ذہن جس طرح کے بناتے ہیں اُن کے ساتھ وہ اُسی طرح کا معاملہ کرتا ہے۔ ایک شخص اگر اپنا تعلق اپنے رب سے استوار رکھتا ہے اور لا یعنی اوہام سے اپنے کو بچاتا ہے، خدا کی یاد سے اپنے دل کو آباد رکھتا ہے، اگر کوئی افتاد پیش آتی ہے تو اُس میں رہ نمائی اور استعانت کے لیے اپنے رب ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر شیطان کو غلبہ پانے نہیں دیتا۔ اگر اتفاق سے اس کو کوئی چھوت لگتی بھی ہے تو اللہ کی طرف توجہ اُس کے شر سے اس کو بچا لیتی ہے۔ [تدبرِ قرآن جلد نہم، صفحہ ۶۶۲-۶۶۳]

حاسدوں کا حسد بذاتِ خود نافع وضار نہیں ہے

اس کے بعد حاسدوں کے حسد سے پناہ چاہنے کا معاملہ ہے، نبی ﷺ سے اختلاف کی اصل بنیاد تو بس اتنی تھی کہ آئمۃ الکفر، سردارانِ قریش اللہ کی بندگی میں ایک معروف دائرے میں زندگی گزارنے کے مقابلے میں من چاہی بے قید زندگی گزارنا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے اور بندگانِ خدا کی گردنیں جس طرح صاحبانِ اقتدار و سرمایہ کے آگے جھکتی تھیں وہ اُنھیں جھکا ہی رکھنا چاہتے تھے اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں اپنی سرداری قربان کر کے زندگی کے ہر دائرے میں محمد ﷺ کی قیادت کو اور اُن کے بعد اُن کے جانشینوں کی قیادت قبول کرنا اُن کے بس کی بات نہ تھی کیوں کہ اس کے بعد جھکی گردنیں تو جھکی نہ رہتیں۔ اِن اصلی اور حقیقی اسبابِ مخالفت کے مقابلے میں بنوہاشم سے ماسوا دوسرے قبائلِ قریش اور بنواسماعیل کے مقابلے میں بنواسرائیل کو شیطان نے اس حسد میں مبتلا کیا تھا کہ نبوت کا یہ تخت اُن کے قبیلے یا اُن کی نسل میں کیوں نہ اترا۔ حاسدوں کا حسد بذاتِ خود نافع و ضار نہیں ہے لیکن حسد کے نتیجے میں حاسد کے ردِّ عمل کے تمام مظاہر شر ہی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہ خالص شیطانی عمل ہے، اس سے اللہ کی پناہ چاہنے کی تعلیم نبی ﷺ کے لیے بڑی بر موقع تھی اور آپؐ کی حقیقی ضرورت بھی۔

۶۷: سُوْرَۃُ النَّاس [۱۱۴ — ۳۰:عَمَّ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۥۙ
الْخَنَّاسِ ۙ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہیے، میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی، لوگوں کے بادشاہ، اور اُن کے معبودِ حقیقی کی، اُس وسوسہ ڈالنے والے [شیطان] کے شر سے جو راہِ حق سے ہٹانے کے لیے پیہم سرگرمِ عمل رہتا ہے مگر گمراہی کے نتائجِ بد آنے پر دبک جاتا ہے، خواہ یہ شیطان جنّوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

شر و فساد کا سارا کاروبار ریب و شک کی بنیاد پر چلتا ہے، اہلِ ایمان کو بچنا لازمی ہے

نیکی کے مقابلے میں شر کا سارا کاروبار چلتا ہی اُس ریب و شک کی بنیاد پر ہے جو شیاطینِ جن و اِنس، نیکی پر آمادہ کسی بھی انسان کے قلب وذہن میں وسوسہ اندازی سے نیکی کی راہ کو اختیار کرنے کے لیے طرح طرح کے خطرات کے ڈراوے کے بھیانک خواب اور بدی کی راہ اپنانے کے لیے سبز باغ دکھاتے ہیں۔ یہ وسوسے ہیں جو سارا کام خراب کرتے ہیں، وگرنہ فطرتِ انسانی تو نیکی پر ہی مائل ہوتی ہے۔ معوذتین میں شامل یہ دوسری سورہ اُنھی وساوس سے اللہ کی پناہ چاہنے پر مشتمل ہے اور ساتھ ہی قلب وذہن میں اُس بلند و بالا ہستی کے تصوّر کو واضح کرنے کی ایک سبیل پیدا کرتی ہے جس سے استعانت اور استعاذہ طلب کیا جارہا ہے، جس کا کلمہ بلند کرنے اور جس کے دین کی اقامت کے لیے کھڑے ہونے کے جرم میں اہلِ ایمان کے لیے مکّہ میں شرور کا ایک جہاں آباد ہوا ہے۔ اذہان میں اچھی طرح رچانے اور بسانے کے لیے فرمایا جارہا ہے کہ ہم تو اس کی پناہ [تعوذ] کے جویا ہیں جو سارے انسانوں کا رب ہے [مالک ہے، نشو ونما دینے والا، سنبھالنے والا وغیرہ، وغیرہ]، سارے انسانوں کا بادشاہ وحاکم ہے اور عبودیت کے لائق سارے انسانوں کا ایک ہی الٰہ واحد اللہ ہے۔

☆☆☆☆